ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1960

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :علوم القرآن • (1960) (2) سطح :بی ایس علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ نمبر 6 :تا(9

کل نمبر 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس پڑھ کر جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں، کیونکہ بعینہٖ نقل کی گئی مشقیں یونیورسٹی کی پالیسی کے مطابق مسترد کی جا سکتی ہیں۔

سوال نمبر :1 ناسخ و منسوخ کی اقسام اور شروط 20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ ناسخ و منسوخ کی اقسام اور شروط تحریر کیجئے۔

تعارف

علوم القرآن کی بحث ناسخ و منسوخ دو پہلوؤں سے اہم ہے :ایک یہ کہ اس کے بغیر احکامِ قرآنی کا درست تعین ممکن نہیں، اور دوسرا یہ کہ اس بحث میں افراط و تفریط کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئی ہیں۔ کسی شرعی حکم کا بعد میں آنے والی شرعی دلیل سے اٹھ جانا نسخ کہلاتا ہے، اٹھانے والی دلیل کو ناسخ اور اٹھائے جانے والے حکم یا آیت کو منسوخ کہا جاتا ہے۔ اس سوال میں پہلے ناسخ و منسوخ کی اقسام مختلف اعتبار سے بیان کی جائیں گی اور پھر وہ شروط تحریر کی جائیں گی جن کے پورا ہونے پر ہی نسخ کا دعویٰ درست قرار پاتا ہے، تاکہ طالب علم اس بحث کا متوازن اور محققانہ تصور حاصل کر سکے۔

ناسخ و منسوخ کی اقسام باعتبارِ دلیل

دلیل کی نوعیت کے اعتبار سے نسخ کی پہلی تقسیم اس طرح ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں قرآن ہوں یا ان میں سے ایک سنت ہو۔ پہلی قسم یہ ہے کہ قرآن کا حکم قرآن ہی سے منسوخ ہو۔ یہ نسخ کی سب سے مشہور قسم ہے، مثلاً بیوہ کی عدت کا حکم ابتداءً ایک سال تھا جس میں خرچ و رہائش بھی شامل تھا، بعد میں اسے چار ماہ دس دن کر دیا گیا۔ اسی طرح قیام اللیل کی طویل عبادت کا حکم بعد کے حکم سے ہلکا کر دیا گیا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ قرآن کا حکم سنت سے منسوخ ہو، مثلاً نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا عمل جو قرآن میں صراحتاً مقرر نہیں تھا بعد میں کعبہ کی طرف رخ کرنے کے قرآنی حکم سے ختم ہوا، اسے بعض نے اسی قسم میں شمار کیا ہے۔ تاہم قرآن کو سنت سے منسوخ ماننے میں علماء کا اختلاف ہے :امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن کا نسخ صرف قرآن سے ہوتا ہے، جبکہ جمہور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک سنتِ متواترہ بھی قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ سنت کا حکم قرآن سے منسوخ ہو، اور چوتھی قسم یہ ہے کہ سنت سنت ہی سے منسوخ ہو، مثلاً قبروں کی زیارت کی ممانعت بعد میں اجازت سے ختم ہو گئی۔

اقسام باعتبارِ تلاوت و حکم

دوسری مشہور تقسیم تلاوت و حکم کے اعتبار سے ہے جس میں نسخ کی تین قسمیں بنتی ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ تلاوت منسوخ ہو مگر حکم باقی رہے۔ اس کی مشہور مثال وہ آیات ہیں جن کی تلاوت اٹھا لی گئی مگر ان کا حکم شریعت میں باقی ہے، جن میں رجم کے حکم سے متعلق منقول روایات کو ذکر کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حکم منسوخ ہو مگر تلاوت باقی رہے۔ یہ نسخ کی سب سے عام قسم ہے اور قرآن کی ان آیات میں پائی جاتی ہے جن کی تلاوت آج بھی کی جاتی ہے لیکن ان کا عملی حکم بدل چکا ہے، مثلاً وصیت کے ابتدائی حکم اور عدت کے احکام والی آیات۔ ان آیات کی تلاوت کا باقی رہنا خود ایک حکمت رکھتا ہے کہ امت شریعت کی تدریجی تاریخ سے واقف رہے اور تلاوت کا ثواب بھی حاصل ہوتا رہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ تلاوت و حکم دونوں منسوخ ہو جائیں، یعنی نہ وہ عبارت آج مصحف میں موجود ہے اور نہ اس پر عمل باقی ہے۔ اس کی مثالیں ان روایات سے دی جاتی ہیں جن میں بعض عبارات کے نزول اور پھر اٹھا لیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

جدول :نسخ کی اقسام باعتبارِ تلاوت و حکم

قسم	تلاوت	حکم	وضاحت
پہلی قسم	منسوخ	باقی	عبارت اٹھا لی گئی مگر شرعی حکم قائم رہا
دوسری قسم	باقی	منسوخ	آیت آج بھی پڑھی جاتی ہے مگر عملی حکم بدل گیا
تیسری قسم	منسوخ	منسوخ	نہ عبارت مصحف میں رہی نہ حکم باقی رہا

اقسام باعتبارِ بدل

تیسری تقسیم بدل کے اعتبار سے ہے۔ کبھی نسخ کے بعد اس کی جگہ نیا حکم آتا ہے اور کبھی بغیر کسی متبادل کے حکم ختم ہو جاتا ہے۔ بدل کے ساتھ نسخ کی مزید تین صورتیں ہیں :نیا حکم پچھلے سے ہلکا ہو، جیسے رات بھر کے قیام کی مشقت نماز و تلاوت کی آسان صورت سے بدل گئی، یا عدتِ وفات میں تخفیف ہو گئی۔ نیا حکم پچھلے کے برابر ہو، جیسے قبلے کی تبدیلی میں ایک جہت کی جگہ دوسری جہت مقرر ہوئی۔ نیا حکم پچھلے سے زیادہ سخت ہو، جیسے ابتداءً زنا کی سزا گھر میں قید و ایذا تھی مگر بعد میں حد کا مقررہ حکم آیا، یا شراب کی ممانعت بتدریج سخت حرمت تک پہنچی۔ قرآن نے خود اعلان فرمایا ہے کہ جو آیت منسوخ کی جاتی ہے اس سے بہتر یا اس جیسی لائی جاتی ہے، جس میں "بہتر" سے مراد بندوں کے لیے دنیوی و اخروی مصلحت میں بہتری ہے۔ بغیر بدل کے نسخ کی مثال صدقہ نجویٰ والے حکم سے دی جاتی ہے جو مختصر مدت کے بعد بغیر متبادل کے اٹھا لیا گیا۔

نسخ کی شروط

نسخ کے اثبات کے لیے علما نے سخت شروط مقرر کر رکھی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ نسخ کا تعلق شرعی عملی حکم سے ہو۔ اعتقادی امور، اصولِ اخلاق، صفاتِ الٰہی و اخبارِ گذشتہ نسخ کے دائرے سے باہر ہیں، کیونکہ ان میں تبدیلی کا تصور ہی درست نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں شرعی دلیلیں ہوں، عقل یا قیاس ناسخ نہیں بن سکتے۔ تیسری شرط زمانی ترتیب کا یقینی علم ہے، یعنی یہ ثابت ہو کہ ناسخ بعد میں آیا ہے۔ یہ علم صحابہ کرام کے اقوال، اسبابِ نزول اور سیرت و تاریخ سے حاصل ہوتا ہے، اور جہاں یہ معلوم نہ ہو وہاں نسخ کا دعویٰ قائم نہیں ہوتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں دلیلوں کے درمیان جمع و تطبیق ناممکن ہو، یعنی نہ تخصیص ممکن ہو، نہ تقیید، نہ کوئی معقول تاویل۔ فقہی اصول یہ ہے کہ جب تک دونوں دلیلوں پر عمل ممکن ہو نسخ کی طرف نہیں جایا جائے گا، کیونکہ نسخ ایک استثنائی صورت ہے جسے دلیل کے بغیر بڑھانا درست نہیں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ ناسخ اپنی ثبوت و دلالت کی قوت میں منسوخ کے برابر یا اس سے قوی ہو، کیونکہ ضعیف دلیل قوی کو ختم نہیں کر سکتی۔ اسی اصول پر بعض علماء نے خبرِ واحد سے قرآن کے نسخ کو جائز نہیں رکھا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ منسوخ حکم اصلًا مؤقت نہ ہو، یعنی ایسا حکم نہ ہو جس کی مدت خود شریعت نے مقرر کر دی ہو، کیونکہ مدت ختم ہونے پر حکم کا ختم ہونا نسخ نہیں بلکہ اپنی مدت کی تکمیل ہے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ نسخ نزولِ وحی کے زمانے ہی میں واقع ہوا ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نسخ کا کوئی امکان نہیں اور اجماع بھی کسی ناسخ کا کام نہیں دے سکتا، البتہ اجماع نسخ کی خبر دے سکتا ہے۔ ان سخت شرائط کی رعایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ متاخر محققین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد نہایت کم رہ گئی ہے۔ امام سیوطی نے "الإتقان" میں ان آیات کو تقریباً اکیس تک محدود کیا اور شاہ ولی اللہ نے "الفوز الکبیر" میں صرف پانچ مقامات پر نسخ تسلیم کیا، جبکہ قدیم بعض تصانیف میں یہ تعداد سیکڑوں تک پہنچائی گئی تھی جن میں سے زیادہ تر مقامات جمع و تطبیق سے حل ہو جاتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ کی اقسام دلیل، تلاوت و حکم، اور بدل کے مختلف اعتبارات سے بیان ہوتی ہیں اور ان اقسام کی مکمل تصویر سامنے رکھنے سے بحث واضح ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی نسخ کی سخت شروط اس بات کی

ضمانت ہیں کہ اس باب میں بے احتیاطی سے احکام منسوخ قرار نہ دیے جائیں۔ طالب علم کے لیے درست روش یہی ہے کہ وہ اقسام کو مثالوں کے ساتھ سمجھے اور شرائط کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے، تاکہ نہ نسخ کا سرے سے انکار ہو اور نہ اس کا بے جا دعویٰ۔

سوال نمبر 2: قراءات کی اقسام اور ہر قسم کا حکم (20 نمبر)

سوال نمبر2 ۔ قراءات کی اقسام بیان کیجئے اور ان میں سے ہر ایک قسم کا حکم واضح کیجئے۔

تعارف

قرآن کریم کی حفاظت کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس کے الفاظ و حروف صرف تحریری طور پر نہیں بلکہ سینہ بسینہ، اساتذہ سے شاگردوں تک، درست لہجے و ادائیگی کے ساتھ منتقل ہوتے رہے ہیں۔ قرآن کو مختلف جائز طریقوں سے پڑھنے کے اس فن کو" علم القراءات "کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ مختلف قبائل و لہجوں والوں کے لیے آسانی ہو، اور انہی سے قراءات کی بنیاد پڑی۔ قراءات سب یکساں درجے کی نہیں ہوتیں، ان کی صحت و قبولیت کے اعتبار سے اقسام بنتی ہیں اور ہر قسم کا شرعی حکم الگ ہے۔ اس سوال میں ان اقسام کو بیان کر کے ہر ایک کا حکم واضح کیا جائے گا۔

قراءت کا مفہوم اور صحیح قراءت کے ارکان

قراءت کے لغوی معنی پڑھنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد قرآن کے کلمات کو ان کی اس کیفیتِ ادائیگی کے ساتھ پڑھنا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے با قاعدہ سند کے ساتھ منقول ہو اور جس میں کسی حرف کی کمی بیشی یا ادائیگی کے اختلاف کا ذکر ہو۔ ماہرین قراءات، خصوصاً امام ابن جزری نے کسی قراءت کے صحیح و مقبول ہونے کے لیے تین ارکان مقرر کیے ہیں :پہلا یہ کہ اس کی سند صحیح و متصل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو، دوسرا یہ کہ وہ مصحفِ عثمانی کے رسم کے موافق ہو خواہ احتمالاً، تیسرا یہ کہ وہ عربی زبان کے کسی معتبر قاعدے کے مطابق ہو۔ جس قراءت میں یہ تینوں شرائط پائی جائیں وہ صحیح قراءت ہے اور اسے قرآن مانا جائے گا، اور جس میں کوئی شرط مفقود ہو وہ درجۂ قبولیت سے گر جاتی ہے۔

قراءات کی اقسام باعتبارِ قبول و سند

قراءات کی سب سے مشہور تقسیم ان کے ثبوت و شہرت کے اعتبار سے ہے جس میں درج ذیل اقسام شامل ہیں۔ پہلی قسم "قراءاتِ متواترہ" ہے: وہ قراءات جو اتنی کثیر سندوں سے منقول ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ قراءاتِ سبعہ یعنی قراء سبعہ کی منقول قراءات، امام شاطبی کی "حرز الأمانی" اور قراءاتِ عشرہ جن میں مزید تین قراء شامل ہیں، اسی درجے میں شمار ہوتی ہیں۔ امام ابن جزری نے "النشر فی القراءات العشر" میں دس قراءات کو متواتر ثابت کیا ہے۔ دوسری قسم "قراءاتِ مشہورہ" ہے: وہ قراءات جن کی سند صحیح ہو، عربی و رسم کے موافق ہوں اور قراء کے ہاں مشہور ہوں مگر تواتر کے درجے کو نہ پہنچی ہوں۔ تیسری قسم "قراءاتِ آحاد" ہے: جن کی سند صحیح ہو مگر وہ مصحف کے رسم یا عربی قاعدے کے خلاف ہوں، یا ان میں وہ شہرت نہ پائی جائے جو قبولیت کے لیے چاہیے۔ چوتھی قسم "قراءاتِ شاذہ" ہے: جن کی سند میں ضعف ہو یا جو تینوں ارکان میں سے کسی رکن سے خالی ہوں، مثلاً مشہور قراء کے علاوہ بعض سے منقول نادر روایات۔ پانچویں قسم "قراءاتِ موضوعہ" ہے جو کسی قاری کی طرف غلط منسوب ہوں اور ان کی کوئی اصل نہ ہو۔ چھٹی قسم "مدرج" ہے، یعنی وہ الفاظ جو بعض صحابہ نے تفسیر کے طور پر اپنے مصحف میں لکھ لیے تھے، وہ وضاحت تھی قراءت نہیں۔

جدول: قراء سبعہ اور ان کے مشہور راوی

قاری	مقام	مشہور راوی
نافع مدنی	مدینہ منورہ	قالون و ورش
ابن کثیر مکی	مکہ مکرمہ	بزی و قنبل
ابو عمرو بصری	بصرہ	دوری و سوسی
ابن عامر شامی	دمشق	ہشام و ابن ذکوان
عاصم کوفی	کوفہ	شعبہ و حفص
حمزہ کوفی	کوفہ	خلف و خلاد
کسائی کوفی	کوفہ	ابو الحارث و دوری

ہر قسم کا شرعی حکم

قراءاتِ متواترہ کا حکم یہ ہے کہ وہ بلا اختلاف قرآن ہیں۔ ان کا انکار کفر تک پہنچانے والا قول ہے، ان سے نماز میں تلاوت درست بلکہ مسنون طریقہ یہی ہے، اور ان سے شرعی احکام کا استنباط بھی کیا جاتا ہے، کیونکہ ہر متواتر قراءت بجائے خود وحی ہے۔ آج دنیا بھر میں رائج روایتِ حفص عن عاصم اسی متواتر قراءات کی ایک روایت ہے، جبکہ شمالی افریقہ میں روایتِ ورش عن نافع اور بعض علاقوں میں قالون و دوری کی روایات متداول ہیں، اور یہ سب قرآن ہی ہیں۔ قراءاتِ مشہورہ کے بارے میں اکثر کا رجحان یہ ہے کہ جو تینوں ارکان پر پوری اتریں وہ بھی قبول کی جائیں گی اور انہی کا حکم متواترہ جیسا ہو گا، تاہم ان کا درجہ قطعیت میں متواترہ سے کم ہے۔

قراءاتِ آحاد اور شاذہ کا حکم یہ ہے کہ انہیں قرآن نہیں مانا جائے گا، نہ نماز میں ان کی تلاوت جائز ہے، کیونکہ نماز میں صرف اسی کی تلاوت ہو سکتی ہے جو قطعیت کے ساتھ قرآن ثابت ہو۔ البتہ علمی حیثیت سے شاذ قراءات کی ایک افادیت اہلِ علم نے تسلیم کی ہے کہ وہ تفسیر و توضیح میں معاون ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں سے بہت سی دراصل صحابہ کی تفسیری وضاحتیں ہیں۔ احکام کے استنباط میں شاذ قراءت کی حجیت پر فقہاء کا اختلاف ہے :حنفیہ کے نزدیک شاذ قراءت خبرِ واحد کے درجے میں ہے اور اس سے حکم ثابت ہو سکتا ہے، اسی بنیاد پر انہوں نے روزوں کی قضا میں تسلسل جیسے فقہی مسائل میں بعض شاذ قراءات سے استدلال کیا ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک چونکہ وہ قرآن نہیں اور سنت کی حیثیت سے بھی ثابت نہیں، اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔ قراءاتِ موضوع اور مدرج کا حکم واضح ہے کہ نہ وہ قرآن ہیں نہ ان کی تلاوت درست ہے، اور مدرج الفاظ کو تفسیر کے خانے میں ہی رکھا جائے گا۔

قراءات کے فوائد و حکمتیں

قراءات کی تعدد میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس سے امت پر آسانی ہوئی، کیونکہ مختلف قبائل اپنے اپنے لہجے میں قرآن پڑھ سکتے تھے۔ اس سے آیات کے مفاہیم میں وسعت پیدا ہوئی، کیونکہ ایک قراءت دوسری قراءت کے معنی کی وضاحت کر دیتی ہے اور کبھی ایک لفظ کی دو قراءتوں سے دو شرعی حکم معلوم ہوتے ہیں، جیسے وضو کے مسئلے میں پاؤں کے نصب و جر کی قراءتوں سے مسح و غسل کے مباحث کھلے۔ اس سے قرآن کی حفاظت کا معجزہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ

تحریر کے ساتھ زبانی نقل کا ایسا مضبوط سلسلہ قائم رہا جس کی مثال کسی اور کتاب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مزید یہ کہ قراءات کے اختلاف سے عربی لغت و قواعد کی بھی بڑی خدمت ہوئی اور بلاغتِ قرآنی کے کئی اسرار اسی علم سے آشکار ہوئے۔ البتہ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ قراءات کا اختلاف تضاد کا اختلاف نہیں بلکہ تنوع کا اختلاف ہے، تمام متواتر قراءات ایک ہی وحی کے مختلف جائز انداز ہیں۔

نتیجہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قراءات سند و قبولیت کے اعتبار سے متواترہ، مشہورہ، آحاد، شاذہ، موضوع اور مدرج اقسام میں تقسیم ہوتی ہیں۔ متواترہ بلا قید قرآن ہے، اس سے تلاوت و استنباط سب درست ہے۔ شاذ و آحاد قرآن نہیں، نماز میں ان کی تلاوت جائز نہیں، البتہ تفسیر میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور احکام میں ان کی حجیت فقہی اختلاف کا مسئلہ ہے۔ ان اقسام و احکام کی پہچان طالب علم کو قراءات کے بارے میں انتشار و غلط فہمی سے بچاتی ہے اور قرآن کی حفاظت کے اس عظیم نظام کی قدر و قیمت اس کے دل میں بٹھاتی ہے۔

سوال نمبر :3 محکم آیات کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور متشابہ کے اسباب 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ محکم آیات قرآنی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور متشابہ کے اسباب پر نوٹ تحریر کیجئے۔

تعارف

قرآن کریم نے اپنی آیات کے دو بڑے اصناف کا ذکر خود سورۃ آل عمران کی ساتویں آیت میں کیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ یہ تقسیم علوم القرآن کی نہایت حساس و اہم بحث ہے، کیونکہ اسی سے منسلک ہو کر تفسیر کے اصول، تاویل کے حدود اور اہلِ زیغ کی گمراہی کا مسئلہ بھی زیر بحث آتا ہے۔ اس نوٹ میں پہلے محکم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر متشابہ کا مفہوم بیان کر کے قرآن میں متشابہ آیات کے پائے جانے کے اسباب و حکمتیں تفصیل سے تحریر کی جائیں گی۔

محکم کا لغوی مفہوم

محکم عربی کے مادہ" ح ک م "سے باب افعال کا اسم مفعول ہے۔ اس مادے کے بنیادی معنی روکنا، مضبوط کرنا اور پختہ کرنا ہیں۔ لغت میں احکام الشیء کا مطلب ہے کسی چیز کو اتنا مضبوط و پختہ کر دینا کہ اس میں خلل و فساد کی گنجائش باقی نہ رہے۔ گھوڑے کی لگام کو بھی اسی لیے" حکمہ "کہا جاتا ہے کہ وہ گھوڑے کو بے قابو ہونے سے روکتی ہے۔ اسی لغوی پس منظر سے" محکم آیت "کا تصور واضح ہوتا ہے :وہ آیت جس کا معنی اس قدر واضح، مضبوط اور قطعی ہو کہ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال یا کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، اور جو سامع کو غلط فہمی سے روک دے۔ قرآن نے اپنی تمام آیات کو ایک اعتبار سے محکم بھی کہا ہے، چنانچہ سورۃ ہود میں کتاب کو "أحکمت آیاته "کہا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری کتاب اپنے نظام و بیان میں پختہ و بے عیب ہے، جبکہ آل عمران والی تقسیم میں محکم و متشابہ کا باہمی تقابلی مفہوم مراد ہے۔

محکم کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں محکم اور متشابہ کی تعریفوں میں اہل علم نے مختلف مگر قریب المعنی عبارتیں اختیار کی ہیں۔ ایک مشہور تعریف یہ ہے کہ محکم وہ آیت ہے جس کا مفہوم بغیر کسی قرینہ و تاویل کے واضح و معلوم ہو اور اس میں صرف ایک ہی معنی کا احتمال ہو، جبکہ متشابہ وہ ہے جس کے مفہوم میں کئی احتمال ہوں یا اس کی حقیقت کا علم اللہ ہی کے پاس ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حلال و حرام، حدود و فرائض اور احکام بیان ہوئے ہیں، اور متشابہات وہ ہیں جن کی تاویل میں اہل علم کو بھی غور کرنا پڑتا ہے۔ اصولیین نے بھی محکم کو واضح الدلالہ کے اس درجے میں رکھا ہے جہاں تخصیص و نسخ و تاویل کا احتمال ختم ہو جائے۔ علما نے محکم آیات ہی کو" ام الکتاب "یعنی کتاب کی اصل و بنیاد قرار دیا ہے، کیونکہ دینی احکام و عقائد کی عمارت انہی پر قائم ہوتی ہے اور متشابہ آیات کو بھی سمجھنے کے لیے ان کو انہی محکمات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔

متشابہ کا مفہوم اور اس کی قسمیں

متشابہ کے لغوی معنی مشابہ و ملتا جلتا ہونا ہیں، یعنی وہ بات جس کے کئی پہلو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اور درست مراد کے تعین میں التباس پیدا ہو۔ اصطلاحاً متشابہ وہ آیات ہیں جن کا مفہوم بادی النظر میں واضح نہ ہو یا ان کی مراد حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم میں مخصوص ہو۔ علما نے متشابہ کی بڑی دو قسمیں بیان کی ہیں :پہلی قسم متشابہِ حقیقی ہے، جس کی حقیقت کا علم کسی مخلوق کو حاصل نہیں، مثلاً قیامت کے قائم ہونے کا دقیق وقت، روح کی حقیقت اور حروفِ مقطعات کے اسرار۔ نظامِ علمی میں اس قسم کے مقابل علم پر بھی اختلاف رہا ہے کہ آیا راسخ فی العلم بھی انہیں جانتے ہیں یا نہیں، اور یہ بحث آل عمران کی آیت میں وقف کے مقام سے جڑی ہوئی ہے۔ دوسری قسم متشابہِ اضافی یا نسبی ہے، جو کسی شخص کے لیے اس کی کم علمی کی وجہ سے مشکل ہو مگر اہلِ علم کے لیے واضح ہو، مثلاً عام و خاص، مطلق و مقید اور مجمل آیات کی تفصیل دیگر نصوص سے معلوم ہو جاتی ہے۔ اس دوسری قسم کا حل محکم آیات کی طرف رجوع اور اہلِ علم سے استفادہ ہے۔

متشابہ کے پائے جانے کے اسباب و حکمتیں

اب اصل سوال یہ ہے کہ قرآن میں متشابہ آیات کیوں آئیں؟ علما نے اس کے کئی اسباب و حکمتیں بیان کی ہیں۔ پہلا سبب ابتلا و امتحان ہے :متشابہ آیات بندوں کی آزمائش ہیں کہ کون ایمان و تسلیم اختیار کر کے کہتا ہے کہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور کون اپنے دل کے ٹیڑھ کی بنا پر فتنے کی تلاش میں ان کے پیچھے پڑتا ہے۔ قرآن نے خود اسی آیت میں دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ و تاویل کی تلاش میں متشابہ کے پیچھے جاتے ہیں اور جو علم میں راسخ ہیں وہ ایمان لاتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حقائق کو انسانی عقل و ادراک سے بالاتر رکھا ہے، جیسے اپنی صفات کی کیفیت اور غیب کے کئی امور۔ جب موضوع ہی غیب ہو تو الفاظ انسانی تجربے کی حدود میں اس کی کامل تصویر نہیں دے سکتے، لہٰذا ان کا بیان متشابہ صورت میں آنا ناگزیر تھا، تاکہ انسان تشبیہ و تعطیل دونوں انتہاؤں سے بچ کر ایمان بالغیب کی راہ اختیار کرے۔

تیسرا سبب اہلِ علم کی فضیلت کا اظہار اور عوام کو ان کی طرف رجوع کی ترغیب ہے۔ اگر ہر آیت ہر شخص کے لیے یکساں واضح ہوتی تو علم و اہلِ علم کی قدر ختم ہو جاتی۔ متشابہ کے ہوتے ہوئے طالبِ حق علماء کی طرف رجوع کرتا

ہے اور امت میں علمی سلسلہ قائم رہتا ہے۔ چوتھا سبب عربی زبان کی وسعت و فصاحت ہے :قرآن اہلِ عرب کی زبان میں ان کے اسلوب کے مطابق نازل ہوا، اور اس زبان میں کنایہ، استعارہ، تشبیہ اور اجمال و اطلاق عام اسالیب ہیں۔ انہی اسالیب کی وجہ سے بعض عبارتیں ایسے مفاہیم رکھتی ہیں جو غور کے بغیر واضح نہیں ہوتے، اور یہی قرآنی بلاغت کا حسن بھی ہے۔ پانچواں سبب علم و اجتہاد کی گنجائش پیدا کرنا ہے :متشابہ و مجمل نصوص نے مفسرین و فقہاء کے لیے غور و فکر اور استنباط کے دروازے کھولے، جس سے تفسیر و فقہ کے عظیم علوم پروان چڑھے اور امت کا علمی سرمایہ نسل در نسل بڑھتا رہا۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ متشابہ پر ایمان لانا بھی عبادت ہے، کیونکہ قرآن پر مکمل ایمان میں یہ شامل ہے کہ جو سمجھ میں آئے اس پر بھی ایمان ہو اور جو حقیقت مکمل طور پر ذہن میں نہ سمائے اس پر بھی اللہ کی حکمت پر یقین رکھتے ہوئے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔

اہلِ علم نے متشابہ سے متعلق یہ رہنما اصول بھی طے کیا ہے کہ کسی متشابہ آیت کی تفسیر میں سب سے پہلے اسے محکم آیات پر پیش کیا جائے، کیونکہ محکم ام الکتاب ہے، اور جو مفہوم محکمات کے خلاف ہو وہ مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی اصول سے صفاتِ باری تعالیٰ والی آیات کو امت کے سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ سمجھا اور گمراہ فرقوں کی تاویلات کا راستہ بند ہوا۔ اسی طرح جن امور کی حقیقت اللہ نے اپنے علم میں رکھی ہے، مثلاً ساعتِ قیامت، وہاں تجسس و تکلف سے رک جانا ہی سلامتی ہے، کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے کہ اس کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور راسخون فی العلم کا فریضہ ایمان و اعتراف ہے۔

نتیجہ

خلاصۂ نوٹ یہ ہے کہ محکم لغوی اعتبار سے مضبوط و پختہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ آیات ہیں جن کی دلالت واضح و قطعی ہو اور جو دین کی بنیاد ہیں، جبکہ متشابہ وہ آیات ہیں جن کے مفہوم میں التباس ہو یا جن کی حقیقت اللہ کے علم میں مختص ہو۔ متشابہ آیات کے پائے جانے کے اسباب میں بندوں کی آزمائش، غیبی امور کا انسانی ادراک سے بالاتر ہونا، اہل علم کی طرف رجوع کی ترغیب، عربی اسلوب کی وسعت اور اجتہاد و تحقیق کی گنجائش نمایاں ہیں۔ درست رویہ یہ ہے کہ متشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھا جائے اور جہاں علم رک جائے وہاں ایمان و تسلیم اختیار کیا جائے، یہی راسخون فی العلم کا شیوہ ہے۔

سوال نمبر :4 برصغیر میں علوم القرآن کے ارتقاء پر جامع نوٹ 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ برصغیر میں علوم القرآن کے ارتقاء پر جامع نوٹ لکھیے۔

تعارف

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، مگر علوم القرآن بطور باقاعدہ علمی موضوع یہاں صدیوں کے سفر میں پروان چڑھا اور ہر دور میں اس خطے کے علماء نے اس فن میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مساجد و مدارس کی درس گاہوں سے لے کر جدید جامعات و تحقیقی اداروں تک، اس ارتقائی سفر میں ترجمے، تفاسیر، تجوید و قراءات کی تدریس اور علوم القرآن کی مستقل تصانیف سب شامل ہیں۔ اس نوٹ میں برصغیر میں علوم القرآن کے ارتقاء کا جائزہ ادوار کے اعتبار سے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ یہ واضح ہو کہ یہ خطہ اس علم کی تاریخ میں کس قدر اہم مقام رکھتا ہے۔

ابتدائی و متوسط ادوار

برصغیر میں اسلام کی اشاعت کے ابتدائی صدیوں میں قرآن کی تعلیم کا مرکز مساجد و خانقاہیں تھیں، جہاں حفظ و ناظرہ اور تجوید کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ سندھ و ملتان کے علمی مراکز سے قرآنی علوم کی روشنی پھیلی اور بعد میں دہلی، جونپور، گجرات اور دکن علمی زندگی کے مراکز بنے۔ سلطنت و مغلیہ دور میں فقہ و تفسیر کی معروف عربی کتب درسیات میں داخل ہوئیں، مثلاً بیضاوی و جلالین جیسی تفاسیر درس نظامی کا حصہ بنیں، جس سے قرآنی علوم کی اصولی مباحث بھی ترویج پانے لگیں۔ اسی دور میں قرآن فہمی کو عام کرنے کی اہم کوششیں بھی ہوئیں، جن میں سب سے نمایاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن کا فارسی ترجمہ" فتح الرحمن "کیا تاکہ عوام براہِ راست قرآن سے جُڑ سکیں، اور ان کے صاحبزادوں شاہ عبد القادر و شاہ رفیع الدین نے اردو کے ابتدائی و مشہور تراجم پیش کیے جنہوں نے برصغیر میں قرآن فہمی کی انقلابی بنیاد رکھ دی۔

شاہ ولی اللہ اور اصولِ تفسیر کی روایت

علوم القرآن کے ارتقاء میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا کردار سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب" الفوز الکبیر فی اصول التفسیر "میں تفسیر کے بنیادی اصول وضع کیے :اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، آیات کی مناسبت، غریب القرآن اور محکم و متشابہ جیسے مباحث کو اردو و فارسی خوان طبقے کے لیے سادہ مگر علمی انداز میں پیش کیا۔ یہ کتاب دراصل برصغیر میں علوم القرآن کی پہلی مستقل و منظم تصنیف شمار کی جا سکتی ہے جو آج بھی مدارس و جامعات میں نصابی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی" حجۃ اللہ البالغہ "نے بھی اسرارِ شریعت و قرآنی حکمتوں کی بحث کو آگے بڑھایا۔ اسی خاندانی و علمی روایت نے آنے والی صدیوں میں ترجم و تفسیر کی وہ تحریک پیدا کی جس کے اثرات آج تک قائم ہیں۔

انیسویں و بیسویں صدی: مدارس اور تفسیری تحریک

انیسویں صدی میں دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور بعد میں ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے اداروں نے علوم القرآن کی تدریس کو منظم شکل دی۔ دورۂ حدیث سے پہلے تفسیر و اصولِ تفسیر کا باقاعدہ درس ہونے لگا اور عربی تفاسیر کے ساتھ اردو تفاسیر کی تصنیف کا وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور بعد کے اکابر نے قرآنی مباحث پر علمی نگارشات پیش کیں۔ اس دور کی اہم ترین تفسیری خدمات میں مولانا اشرف علی تھانوی کی" بیان القرآن"، مولانا مفتی محمد شفیع کی" معارف القرآن "اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی" تفہیم القرآن "نمایاں ہیں، جن میں علوم القرآن کی مباحث یعنی اسبابِ نزول، قراءات، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ پر بھی باقاعدہ گفتگو ملتی ہے۔ تراجم کے میدان میں فتح محمد جالندھری و دیگر کا کام عام قاری تک قرآن پہنچانے کا ذریعہ بنا۔ اس دور میں چھاپے خانے کی سہولت نے قرآنی لٹریچر کی اشاعت کو غیر معمولی وسعت دی اور تجوید و قراءات پر بھی اردو میں چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہونے لگیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد کا دور

قیامِ پاکستان کے بعد علوم القرآن کو ادارہ جاتی سطح پر نئی جہتیں ملیں۔ جامعات میں شعبہ جاتِ علوم اسلامیہ قائم ہوئے جہاں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر علوم القرآن کے خصوصی موضوعات پر تحقیق ہونے لگی۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ اور اسلامی نظریاتی کونسل جیسے اداروں نے قرآنی موضوعات پر کتب و مجلات شائع کیے۔ عالمی شہرت یافتہ عربی کتب کے اردو تراجم اس دور کی بڑی خدمت ہیں :مناع القطان کی" مباحث فی علوم القرآن "کا اردو ترجمہ، محمد عبد العظیم زرقانی کی" مناہل العرفان "اور صبحی صالح کی" مباحث "کے تراجم نے یہ علم اردو داں طبقے کے لیے قابلِ حصول بنا دیا۔ علاوہ ازیں پیر کرم شاہ الازہری کی" ضیاء القرآن"، ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآنی دروس کی تحریک اور سید قطب و دیگر کی کتب کے تراجم نے عوامی سطح پر قرآنی علوم کی مقبولیت بڑھائی۔ جدید دور میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سمیت متعدد جامعات میں تجوید و قراءات اور علوم القرآن کے مستقل شعبے قائم ہیں اور ڈیجیٹل ذرائع سے بھی اس علم کی اشاعت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

تجوید و قراءات اور دیگر شعبوں کی ترقی

برصغیر میں علوم القرآن کا ارتقاء صرف ترجم و تفسیر تک محدود نہیں رہا۔ تجوید و قراءات کے فن کو یہاں غیر معمولی فروغ ملا، اور پاکستانی قراء نے بین الاقوامی محافل و مسابقات میں اس خطے کا نام روشن کیا۔ مدارس میں دورۂ تجوید و قراءات سبعہ و عشرہ کی باقاعدہ تدریس کا نظام قائم ہوا اور کئی جید اساتذہ نے اجازے کے سلسلے کو زندہ رکھا۔ اسی طرح قرآن کے اعراب و رسم الخط، حفظ کے نظام اور نسخہ جات کی اشاعت میں لاہور و کراچی کے ناشرین نے عالمی معیار کا کام کیا۔ خواتین کی تعلیم میں بھی قرآنی اداروں نے اہم کردار ادا کیا اور فاصلاتی تعلیم کے نظام، بشمول علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے علوم اسلامیہ کے پروگرامز، نے یہ علم گھر گھر تک پہنچایا۔ غرض یہ کہ اس خطے نے حفظ و تلاوت سے لے کر تحقیق و تصنیف تک ہر میدان میں علوم القرآن کی خدمت کی ہے۔

نتیجہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ برصغیر میں علوم القرآن کا ارتقاء ایک مسلسل و ہمہ جہت سفر ہے :ابتدائی ادوار کی مسجدی تعلیم سے ہوتا ہوا شاہ ولی اللہ کی اصولِ تفسیر کی تحریک، مدارس و تفاسیر کی عظیم روایت، اور جدید جامعات و تحقیقی اداروں تک یہ سفر جاری ہے۔ اردو زبان کو اس ارتقاء میں کلیدی ذریعے کی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ تراجم و تفاسیر و ترجمہ شدہ عربی کتب نے اس علم کو خاص و عام سب کے لیے ممکن بنایا۔ یہ روایت آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور نئی نسل کے محققین اس میں اضافہ کر رہے ہیں۔

سوال نمبر :5 علوم القرآن پر لکھی گئی چار کتابوں کا تعارف 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ علوم القرآن پر لکھی گئی چار کتابوں کا تعارف پیش کریں۔

تعارف

جب علوم القرآن ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر گیا تو مختلف ادوار میں اس پر ایسی جامع کتابیں لکھی گئیں جو آج تک اس علم کی بنیادی مآخذ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کتب نے بکھرے ہوئے مباحث کو منظم کیا، اگلے محققین کے لیے راہ ہموار کی اور درس گاہوں میں نصابی مقام حاصل کیا۔ اس جواب میں چار مشہور ترین کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے :امام بدر الدین زرکشی کی" البرہان فی علوم القرآن"، امام جلال الدین سیوطی کی" الإتقان فی علوم القرآن"، محمد عبد العظیم زرقانی کی" مناہل العرفان فی علوم القرآن "اور ڈاکٹر صبحی صالح کی" مباحث فی علوم القرآن"۔ ہر کتاب کے مصنف، منہج، مضامین اور اہمیت پر الگ الگ گفتگو کی جائے گی۔

البرہان فی علوم القرآن — امام بدر الدین زرکشی

"البرہان فی علوم القرآن " کے مصنف امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی) وفات794 ھ (ہیں، جو آٹھویں صدی ہجری کے نامور شافعی فقیہ و محقق تھے۔ یہ کتاب علوم القرآن کی تاریخ میں پہلی جامع و مستقل تصنیف سمجھی جاتی ہے جس میں اس علم کے تقریباً تمام ابواب ایک جگہ جمع کر دیے گئے۔ مصنف نے کتاب کو سینتالیس ابواب یعنی انواع پر

تقسیم کیا ہے جن میں معرفتِ اسبابِ نزول، مکی و مدنی، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، اعجاز، فضائل القرآن اور اداب تلاوت جیسے مباحث شامل ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض نقل و جمع پر مشتمل نہیں بلکہ مصنف نے محققانہ انداز میں اقوال کا جائزہ لیا اور بہت سے مقامات پر اپنی رائے بھی دی۔ بعد کی تقریباً تمام کتب نے اس سے استفادہ کیا، اور خصوصاً امام سیوطی نے الإتقان کی بنیاد اسی کتاب پر رکھی۔ اگرچہ اس کا اسلوب قدیم محققانہ عربی کا ہے اور بعض مقامات پر مباحث منتشر بھی ہیں، تاہم اس علم کی تاریخ میں اس کا مقام ایک بنیاد گزار کتاب کا ہے۔

الإتقان فی علوم القرآن — امام جلال الدین سیوطی

"الإتقان فی علوم القرآن "امام جلال الدین عبد الرحمن سیوطی) وفات 911ھ (کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو اس علم کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ہے۔ امام سیوطی نے پہلے" التحبیر فی علم التفسیر "لکھ کر اس فن میں مہارت حاصل کی، پھر زرکشی کی البرہان کو سامنے رکھ کر اس سے وسیع تر و مرتب کتاب الإتقان تیار کی۔ اس کتاب میں علوم القرآن کے اسی (80) انواع شامل ہیں، جن میں نزولِ قرآن کی تاریخ، جمع و ترتیب، قراءات، لغاتِ قرآن، اعراب، مجاز و کنایہ، امثال، اقسام، جدل اور طبقاتِ مفسرین جیسے مباحث بڑی تفصیل سے آئے ہیں۔ اس کی بڑی خصوصیت ترتیب و جامعیت ہے :ہر نوع مستقل باب ہے، ہر باب میں تعریف، اقسام، مثالیں اور علما کے اقوال منظم صورت میں ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے یہ کتاب مدارس و جامعات میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے خلاصے و تراجم کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ طالب علم کے لیے علوم القرآن کی مکمل تصویر حاصل کرنے کا آسان ترین ذریعہ آج بھی الإتقان ہی ہے۔

مناہل العرفان فی علوم القرآن — محمد عبد العظیم زرقانی

"مناہل العرفان فی علوم القرآن "بیسویں صدی کے ممتاز مصری عالم محمد عبد العظیم زرقانی) وفات1367 ھ (کی تصنیف ہے، جو جامعہ ازہر کے استاد تھے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی اور جدید دور میں علوم القرآن کی سب سے مؤثر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی انفرادیت اس کا پرزور دفاعی و تحقیقی منہج ہے :مصنف نے وحی، نزول، جمع قرآن، قراءات، اعجاز اور ترجمۂ قرآن جیسے موضوعات پر مستشرقین اور جدید ملحدانہ اعتراضات کے مفصل و مدلل جوابات دیے ہیں، خصوصاً نسخ و تاریخیتِ قرآن کے مباحث میں ان کی گفتگو نہایت مضبوط ہے۔ کتاب کی زبان سلیس و ادبی

عربی ہے اور مباحث کو جدید ذہن کے سوالات کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب جامعات کے نصاب میں داخل ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا، جس سے برصغیر کے طلبہ کو خاص طور پر فائدہ پہنچا۔ کلاسیکی علوم کو جدید اسلوب میں پیش کرنے کی بہترین مثال مناہل العرفان ہے۔

مباحث فی علوم القرآن — ڈاکٹر صبحی صالح

"مباحث فی علوم القرآن "لبنان کے معروف محقق ڈاکٹر صبحی صالح) وفات1407 ھ (کی تصنیف ہے جو بیروت یونیورسٹی میں استاد رہے۔ یہ کتاب نسبتاً مختصر مگر انتہائی مرتب و جامع ہے اور اسی اختصار و وضوح کی وجہ سے غیر معمولی مقبول ہوئی۔ کتاب کے ابواب میں علوم القرآن کی تعریف و تاریخ، وحی کی حقیقت، نزول و جمعِ قرآن، مکی و مدنی، اسبابِ نزول، قراءات، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، اعجاز اور ترجم و تفسیر کے مباحث آسان انداز میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ مصنف نے ایک اور اہم خدمت یہ انجام دی کہ" مناہل العرفان "کی تحقیق و تخریج بھی کی، چنانچہ دونوں کتب ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔" مباحث "کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور یہ کتاب پاکستانی جامعات و کالجز کی بی ایس و ایم اے کلاسز میں بہ طور نصابی و معاون کتاب رائج ہے۔ ابتدائی طالب علم کے لیے اس علم میں داخلے کا بہترین دروازہ یہی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

جدول :چاروں کتابوں کا تقابلی جائزہ

کتاب	مصنف	خصوصیت
البرہان فی علوم القرآن	بدر الدین زرکشی) م794 ھ(	اس فن کی پہلی جامع بنیاد، 47 انواع
الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی) م911 ھ(	سب سے مشہور مرجع، 80 انواع، مکمل ترتیب و جامعیت
مناہل العرفان	عبد العظیم زرقانی) م1367 ھ(	جدید اعتراضات کے مدلل جوابات، دفاعی منہج
مباحث فی علوم القرآن	ڈاکٹر صبحی صالح) م1407 ھ(	مختصر، سلیس و نصابی؛ ابتدائی

طلبہ کے لیے بہترین		

چاروں کتابوں کی مجموعی اہمیت

ان چاروں کتابوں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر کتاب نے اپنے اپنے دور کے علمی تقاضوں کو پورا کیا۔ البرہان نے بنیاد رکھی، الإتقان نے اسے مکمل نقشہ دیا، مناہل العرفان نے جدید چیلنجوں کا سامنا کیا اور مباحث نے اس علم کو ہر طالب علم کے لیے قابلِ رسائی بنا دیا۔ ان کتب کی بدولت علوم القرآن کی تعلیم آج عالم اسلام کی ہر بڑی درس گاہ میں جاری ہے اور ان کے تراجم نے غیر عرب طلبہ تک بھی اس علم کو پہنچا دیا ہے۔ جو طالب علم ان چاروں سے آشنائی حاصل کر لیتا ہے وہ اس علم کے ارتقاء، دائرہ کار اور تحقیقی منہج سے مکمل طور پر واقف ہو جاتا ہے اور آگے کی مخصوص تحقیقات کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ البرہان، الإتقان، مناہل العرفان اور مباحث فی علوم القرآن اس علم کی چار عظیم و نمائندہ کتابیں ہیں۔ اپنے مصنفین کی علمی مہارت، مضامین کی جامعیت اور تدریسی افادیت کی بدولت یہ کتب صدیوں سے طلبہ و محققین کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ ان کا تعارف جاننا ہر سنجیدہ طالبِ علوم القرآن کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ مزید مطالعے کے لیے درست کتاب کا انتخاب کر سکے اور اس علم کی علمی روایت سے جُڑ سکے۔